© rasailojaraid.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

پچھلی مرتبہ جو سلسلۂ گفتگو اشارات میں دیا گیا تھا، اُسے التوا میں رکھ کر اپریل کی مناسبت سے حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے متعلق کچھ باتیں پیشِ خدمت ہیں۔ انشاءاللہ آئندہ اشاعت سے اشارات کا سابق سلسلہ بحال کر دیا جائے گا۔

(ادارہ)

علامہ اقبالؒ کی شخصیت برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ کے آسمان پر ایسی لمعانی کے ساتھ اُبھری کہ اس کی شعاعوں کے لشکر نہ صرف عالمِ اسلام میں بلکہ آج کی پوری دنیا میں پھیل گئے، اور علم، ادب، فنِ شعر، فلسفہ، انشاء، خطابت وغیرہ کے بہت سے اُفق جگمگا اُٹھے۔

اقبالؒ کا فنی کارنامہ بجائے خود بہت عظیم ہے۔ یعنی اُسے اگر نگاہوں کو یکسو کر کے اس کے شعری مقام پر نظر ڈالی جائے تو جہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا کے فن کے پچھلے سارے کارناموں کا جوہر اس نے سمیٹا، بلکہ شاعری کو نئے احساسات و جذبات، نیا طرزِ فکر، نئی تشبیہات اور تراکیب دے کر کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ ایک طرف اس میں بلندی و بالیدگی پیدا ہوئی اور دوسری طرف وسعت اور آفاقیت۔ لیکن اقبالؒ نے فنِ شعر کی دنیا میں ایک تیسرا کام بھی کیا جو بہت مشکل ہونے کے باوجود بہت کامیاب رہا۔ یعنی عربی، فارسی اور اُردو کے سابق شعراء کی کچھ جزوی مثالوں سے ذرا آگے بڑھ کر اسلام کو ایک مذہب کے بجائے ایک تحریک و تہذیب کی پُرعظمت شکل میں شعر کے آبگینوں میں جلوہ گر کر دیا۔ اقبال نے فنِ شعر کے ظرف سے زیادہ اسلامی زندگی کی تفصیلات اور جزئیات تک شاعری کی جھولی میں ڈال دیں؛

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر کیا مجال کہ کہیں یہ محسوس ہو جائے کہ زبان یا فن پر کوئی چیز بار ہے، بلکہ فنی جمال اور شعری کمال اور بڑھ جاتا ہے۔ پڑھنے والے کو ایک طرف شاعری کے نئے مقاماتِ شکوہ دکھائی دیتے ہیں اور دوسری طرف سامنے کی چھوٹی چھوٹی اسلامی روایات اور قدروں کا بالکل نیا وسیع تر مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔

بہ حیثیت شاعر اقبال کا کام اگر یہاں تک ختم ہو جاتا کہ وہ حیاتِ ملّی کی تجدید کے لیے جذباتی سطح پر کچھ اُکساہٹیں پیدا کر دیتا تو اس سے زیادہ کوئی مطالبہ نہ فن اس سے کر سکتا تھا، نہ ملّت۔ لیکن چونکہ وہ فلسفی بھی تھا، تاریخ آشنا بھی، واقفِ اقتصادیات بھی۔ اور احکامِ قرآن اور اشاعرِ سنّت کی روشنیوں سے بھی کچھ بہرہ رکھتا تھا، نیز مغلیہ سلطنت کے مِٹنے، تحریکِ مجاہدین کے اُبھرنے، پھر ۱۸۵۷ء کے اضطرابات اور تحریکِ خلافت، ترکیہ میں ادارۂ خلافت کے انہدام اور عرب نیشنلزم اور امپیریلسٹ قوتوں کی اسلام دشمنی اور مُسلم دشمنی کا علم (کچھ ماضیٔ قریب کی تاریخ سے متعلق اور کچھ چشم دید احوال) دیکھ کر ایک سیاسی و تہذیبی حملے سے ہونے والی بربادیوں کا پورا راز دان تھا، لہٰذا وہ صرف سرسری طور پر مروج تصوّر کے ایک غیر جانب دار شاعر کی طرح نغمے نہیں الاپتا کہ کبھی ایک طرح کا سُر اور کبھی دوسری طرح کی لَے۔ وہ تاریخ کی جنگ گاہ میں متصادم قوتوں میں سے ہر ایک کا ایک مقام اپنی فلسفیانہ فکر سے بھی متعین کرتا ہے اور پھر جذبۂ ایمانی کے ساتھ اس جنگ گاہ میں سلاحِ قلم لے کر اُتر جاتا ہے، اور ساری عمر اسی طرح گزار دیتا ہے۔ جوں جوں وہ ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں پہنچتا ہے، شعر کے ذریعے اس کا جہادِ اسلامی مسلسل زور پکڑتا جاتا ہے۔

لیکن شاعری میں وہ اسلام کی بات ایک فقیہہ یا واعظ یا مفتی کے انداز سے نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے ایمانی شعور کے ساتھ محفلِ انسانیت کے اسٹیج پر کھڑے ہو کر اس ساری محفل سے بات کرتا ہے اور شاعری میں جتنی زیادہ سے زیادہ گنجائش ہو سکتی ہے، ثابت کر دکھاتا ہے کہ اسلام ایک آفاقی دین اور بین الانسانی تحریک ہے اور دُنیا کے ہر فرد کے لیے اس کے پاس پیغام ہے۔

اقبال کی شخصیت اور فن کے اس شعور کے ساتھ میں یہ کہتا ہوں کہ وہ دورِ رواں کے سب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑے معرکے کے لیے ہر صاحبِ دل کو اور قریبی رابطے کی وجہ سے ملّت کے نوجوانوں کو پکارتا ہے۔ وہ سب سے بڑا معرکہ مادّیت و روحانیت کا ہے، یا کہیے کہ مادہ پرستی اور خدا پرستی کا۔ (جیسے اقبالؒ نے معرکۂ رُوح و بدن کہا ہے)۔ وہ تہذیبِ مغرب کا تجزیہ کر کے دکھاتا ہے کہ یہ سب مادّہ پرستانہ نقطۂ نظر کا طلسم ہے اور دوسری طرف وہ اسلام کو اسی حیثیت سے نمایاں کرتا ہے کہ وہ ایک خدا پرستانہ نظامِ تہذیب ہے۔ وہ خود مادّہ پرستی کے خلاف معرکہ پیکار میں کھڑا ہے، اور جہاں جہاں تک اُس کی آواز جاتی ہے وہ ہر کسی کو اس معرکے کے لیے پکارتا ہے کہ جہاں سے جو کوئی سچی خدا پرستی کی قوت لے کر اُٹھ سکتا ہو اُٹھے۔

میدانِ جنگ بڑا وسیع ہے۔ علوم اور خیالات کا دائرہ ہے، تعلیم کا حلقہ ہے، لٹریچر کی دُنیا ہے، صحافت اور دوسرے ذرائع ابلاغ ہیں، ادب اور ثقافت ہے، گھریلو زندگی اور نظامِ معاشرت ہے، سیاسی اقتدار اور عدالتی ہیئت ہے، وغیرہ۔ وہ ان سارے میدانوں میں یہ چاہتا ہے کہ خدا پرستوں کی قوتیں مادّہ پرستانہ تہذیب کی فتنہ سامانیوں اور فکری تباہ کاریوں اور اخلاق سوزیوں کے خلاف برسرِعمل ہو جائیں۔ بلکہ اقبال کا یہ فکری پس منظر سمجھ میں آ جائے تو پھر اندازہ کرنا مشکل نہیں رہتا کہ کس غرض کے لیے وہ ایک الگ خطۂ زمین اُس ملّت کے لیے حاصل کرنا چاہتا تھا جس کے اسلامی رجحانات میں اگر آفاقی رُوح اور بین الانسانی خایرت کا جذبہ اُبھار دیا جائے تو وہ ایک بُنیادی اور بڑے جہانی انقلاب کا ذریعہ بن سکتی ہے:

بدقسمتی یہ ہوئی کہ اقبال کو شروع میں جس محبت و احترام سے سرآنکھوں پہ بٹھانے کے ساتھ اُسے سمجھنے کی کوشش کی گئی اور بعض اصحاب نے تو قرآن کی روشنی میں اقبال کے کلام پہ تفکر کیا (یہ کام اب بھی ہوتا رہتا ہے)، مگر بعد میں اقبال کے فنّی کارنامے کو بھی اور ضمناً بعض پہلوؤں سے اس کی شخصیت کو بھی متنازعہ بنانے کی کوشش کی گئی۔ مثلاً ترقی پسند تحریک کے حلقوں سے آواز اُٹھی کہ اقبال رجعت پسند ہے[1]۔ کچھ لوگوں نے اس کے کلام کو غیر معیاری

---

[1] پروفیسر کینٹول اسمتھ نے بھی اپنی کتاب "ماڈرن اسلام اِن انڈیا" میں اقبال کے (باقی صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور انحرافی قرار دینے کی بھی کوشش کی۔ پھر اشتراکیوں نے ایک اور راستہ اختیار کیا۔ اقبالؒ کے بعض اشعار و نکات کو اِدھر اُدھر سے چُن کر یہ دعویٰ کیا کہ اقبال بھی رُوسی انقلاب سے متاثر اور اشتراکی یا سوشلسٹ ذہن کا تھا۔ پھر کچھ لوگوں نے اس کی ذاتی اور گھریلو زندگی کے مختلف احوال کا تجزیہ چوراہے میں کرنا شروع کر دیا۔ اور اب دانش وروں کا ایک جتھا (موجودہ مُسلم لیگی حکمرانوں کی تائید و تحسین کے ساتھ) اس دعوے کو لے کر اُٹھا ہے کہ اوّل تو اقبالؒ نے سیکولر اسلام کا تصور پیش کیا ہے جسے سمجھا نہیں جاسکا۔ دوسرے وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ قرونِ اولیٰ کے قوانین اور احکام اور تقاریب اس روشن دور میں از سرِ نو رائج کیے جائیں، بخلاف اس کے وہ ایسے اجتہاد کا علمبردار ہے کہ پچھلے سارے سرمایۂ علم و تجربہ کو دریا بُرد کر کے وقت کے تقاضوں کے متعلق نصوص کی نئی تعبیریں کی جائیں اور پھر ان نئی تعبیروں پر ایک ماڈرن فقہ کھڑی کی جائے۔ خواہ اسلام رہے یا نہ رہے، جو کچھ بھی رہے گا، اسی کو اسلام سمجھا جائے گا۔

یہ بڑی تحیر زا صورت ہے کہ ہماری ایک عظیم تاریخی، علمی اور ادبی شخصیت کو اغوا کیا جا رہا ہے۔ کبھی کوئی گروہ اس مہم کے لیے اُٹھتا ہے، کبھی دوسرا گروہ ـــ مطلب سب کا یہ ہے کہ اقبال حقیقت میں جس مقام پر ہے اُس سے اُسے ہٹا کر غائب کر دیا جائے اور ایک نئی طرز کے ادارے میں اُسے نصب کر دیا جائے۔ جیسے ایک گروہ نے کسی زمانے میں حجرِ اسود کو کعبہ سے چُرا لیا تھا اور کئی سال اُسے غائب رکھا۔ بڑی مشکلوں سے واپس حاصل کیا گیا۔ اِس طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

کارنامے کے دو حصے کیے۔ یعنی جہاں وہ عام طریق سے حسن و جمال یا علم یا ترقی وغیرہ کی بات کرتا ہے، وہاں وہاں تو اسمتھ اُسے ماڈرن کہتا ہے۔ اور جہاں جہاں اقبالؒ اسلام کے حقائق کو اُبھارتا یا مسلمانوں کو پکارتا یا عشقِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر کرتا یا مادہ پرستی کے خلاف آواز اُٹھاتا ہے تو وہ پروفیسر اُسے رجعت پسند قرار دیتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ اگر کسی شخصیت کو خدا پرستانہ تہذیب کے فکری ایوان سے نکال لے جایا جائے اور اُسے جا کر مادّہ پرستی، سیکولرازم، سوشلزم وغیرہ کے خانے میں نصب کر دیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اثر و قوت کو ایک طرف سے ہٹا کر دوسری طرف لگا دیا جائے۔

اقبال کی فنی شخصیت کا اغوا کرنے والے مختلف عناصر سے (جو اب ہیں یا آئندہ ہو سکتے ہیں) مجھے یہ پوچھنا ہے کہ تم ذرا اس کی کتاب "اسرار خودی اور رموزِ بے خودی" کو لے کر اس کا سادہ ترجمہ کرو اور یہ بتاؤ کہ اس کے اتنے طویل بیان سے اشتراکیت نکلتی ہے یا سیکولرازم یا مادہ پرستی یا اسلام! — یا کچھ بھی نہیں؟

ایک کیا، کوئی کتاب لے لیں۔ بلکہ یوں کریں کہ ساری کتابوں کو جمع کر کے یہ دیکھیں کہ ان میں اسلامی شخصیتوں، اسلامی اصطلاحات، اسلامی موضوعات، آیات، احادیث، اسلامی تاریخ کے واقعات، تراکیب اور استعارات اور تلمیحات، ملکوں اور مقامات کے نام، کتابوں کے نام، زندگی کے مسائل و مباحث کے متعلق اسلامی زاویوں کا بیان کس قدر ہے۔ ایسی فہرست بنانے کے بعد بتایئے کہ یہ نظام اسلامی کے کسی مخالف کا کلام ہو سکتا ہے یا داعیِ اسلام کا!

خوب غور کرو اور پھر یہ بتاؤ کہ کیا یہ رویہ صحیح ہے یا نادرست کہ ایک طرف اقبال کو فکری رہنما ماننا، تصورِ پاکستان پیش کرنے والا مدبر ماننا، ترجمانِ حقیقت اور حکیم الامّت ماننا، اس کے یوم منانا، اس کے مزار کو سجانا، سنوارنا اور وہاں جا کر پھول چڑھانا اور سلامیاں دینا، — اور دوسری طرف — اس کے اصل مدعائے کلام کو جو پوری طرح واضح اور عیاں ہے (”کیا غضب آئے نگاہوں پہ جو پنہاں ہوں ہم“) اس کو نت نئی تحقیقاتوں کے چاک پر گھما کر اقبال کے کلام سے نئے نئے معانی کی تخلیق کرتے چلے جانا۔ میرے خیال میں تو مذاق ہے۔ اقبالؒ کے منہ میں جس کا جی چاہتا ہے اپنی باتیں ٹھونس دیتا ہے۔ پھر یہ سماں کہ لبرل ازم یا رواداری اور آزادیِ رائے کے نام پر جتنے منہ، اتنی باتیں، یہ نتیجہ پیدا کرتا ہے کہ اقبالؒ کی آواز بکھر جاتی ہے، اس کے تخیلات کے شہباز پر پھڑپھڑاتے نہ جانے کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔

اگر اقبالؒ کے اثرات سے معاشرے کو دور رکھنے کا سبب یہ اُلٹی تحقیقاتیں اور ٹیڑھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروپیگنڈے سے نہ ہوتے تو کیا ہم جرائم کے لحاظ سے، جہالت کے لحاظ، افلاس کے لحاظ سے، مالیات کی پستی کے لحاظ سے، زرِ مبادلہ کی کمی کے لحاظ سے، تجارتِ خارجہ کے خسارے کے لحاظ سے، غیر ملکی مقروضیت کے لحاظ سے، صنعتی انحطاط کے لحاظ سے، ٹیکسوں اور اس کی قیمتوں کے اضافے کے لحاظ سے، تفرقہ کے لحاظ سے، صوبائی نزاعات کے لحاظ سے، سیاست کی کمزوری اور لیڈروں کی بے وقعتی کے لحاظ سے اتنے ہی گئے گذرے ہوتے۔

اقبالؒ کے فن اور پیغام کی شعاعوں کو اس طرح بکھیر دیا گیا ہے کہ ہمارا ملی وجود ہی ابھی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہے، گویا کہ ہم سارے زمانے کو روشنیاں بانٹنے والے ہوتے۔

شدید ضرورت ہے کہ صحت مند ذہن کے محقق اور دانشور اقبالؒ کے کلام، فن اور فلسفے اور نظریہ و غایت پر اتنا ٹھوس اور مثبت کام کریں کہ وہی ٹھوس مثبت کام ملت اور خصوصاً اس کے نوجوانوں پر چھا جائے۔ اقبال شناسی کے نام پر ہر وہ کوشش جو ہماری موجودہ بگڑی ہوئی زندگیوں اور مغرب زدگی کو جواز مہیا کرتی ہے، درحقیقت اقبالؒ اور معاشرے کے درمیان گرد و غبار کی ایک دیوار کو حائل کرتی ہے۔

© rasailojaraid.com